JIBAS (The International Journal of Islamic Business, Administration and Social Sciences) (Quarterly) Trilingual (Arabic, English, Urdu)
ISSN: APPLIED FOR (P) & (E)
Home Page: http://jibas.org
Approved by HEC in Y Category
Indexing: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, Euro pub.
PUBLISHER HABIBIA RESEARCH ACADEMY
Project of **JAMIA HABIBIA INTERNATIONAL,** Reg. No: KAR No. 2287 Societies Registration Act XXI of 1860 Govt. of Sindh, Pakistan.
Website: www.habibia.edu.pk,
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

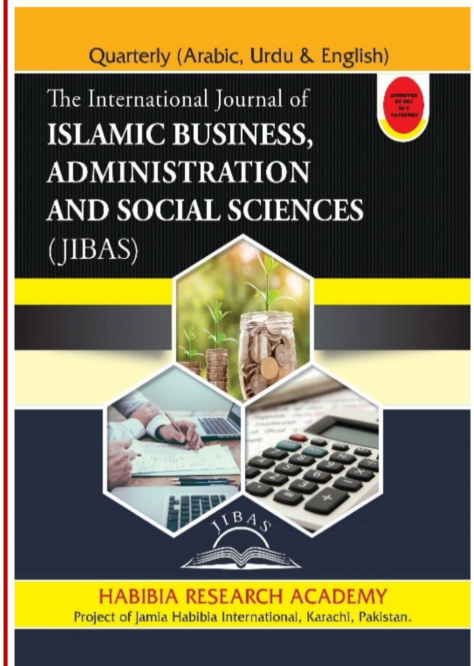

TOPIC:

CRITICAL ANALYSIS OF POLITICAL ASPECTS IN THE LIGHT OF ISLAMIC PRINCIPLES

اسلامی اصولوں کی روشنی میں سیاسی پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ

AUTHORS:

1. *Dr. Atif Aftab, (HoD, Assistant Professor Social Sciences) Faculty of Social Sciences & Humanities Hamdard University Karachi, Email ID: atif.aftab@hamdard.edu.pk Orcid ID: https://orcid.org/0000-0001-8011-0426*
2. *Dr. Muhammad Bilal Usmani, Assistant Professor Humanities Department, NED University of Engineering and Technology, Email ID: b.muhammad94@yahoo.com Orcid ID: https://orcid.org/0000-0002-6485-8706*
3. *Dr. Syed M. Arsalan Shoeby, Assistant Professor, Metropolitan University Karachi, Email ID ashoeby@gmail.com Orcid ID: https://orcid.org/0000-0002-3687-5672*

How to Cite: *Aftab, Atif, Muhammad Bilal Usmani, and Syed M. Arsalan Shoeby,. 2022. "CRITICAL ANALYSIS OF POLITICAL ASPECTS IN THE LIGHT OF ISLAMIC PRINCIPLES: اسلامی اصولو ں کی روشنی میں سیاسی پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ". International Journal of Islamic Business, Administration and Social Sciences (JIBAS) 2 (2):1-20.*
URL: https://jibas.org/index.php/jibas/article/view/37.

Vol. 2, No.2 || April –June 2022 || P. 1-20
Published online: 2022-06-06

QR. Code

CRITICAL ANALYSIS OF POLITICAL ASPECTS IN THE LIGHT OF ISLAMIC PRINCIPLES

اسلامی اصولوں کی روشنی میں سیاسی پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ

Atif Aftab,　　Muhammad Bilal Usmani,　　Syed M. Arsalan Shoeby,

ABSTRACT:

The resurgence of religious aspects and the associated issues of political intolerance and conflict have become key to the world of the twenty-first century. Among many philosophers, Socrates' believed that modernity would lead to a general decline of religious creed and the role of religion in political life. Modern definition of politics appears to have produced just the negative, and contemporary strive to understand the perspective and the ways in which the modern global world we live in contradicts the predictions of theocracy. This is one of the dilemmas of the modern world that we will address and spend more resources on reading and discussing the ways in which religion and politics have become involve as separate phenomenon, religion became more influential to move beyond the confines of the private realm and politics has no concern regarding religious aspects. The first part of the research paper will present the classical statements in the politics of religion, word politics both the Islamic and the theocracy traditions and ideology, history of politics, discussing their different perspectives as well as how to study religious philosophy behind the political aspects. We will then discuss secularization, modernization and "twin tolerations" in the context of the relationship between religion and politics. The last part of the research will take a more in depth look at the main objectives of politics and government, Islamic concepts of government and religion and fundamentalism in the world. We will explore what religion both unites and divides an entity, but also look at fundamentalism in the context of Islam.

Keywords*: *Critical Analysis, Basic Value Approach, Political Aspects, Islamic Principles

ایک وقت تھاجب پوری دنیامیں مسلمانوں کے علوم وفنون کی داستانیں ہر فرد وبشر پر زبانِ زَدعام تھیں۔ مختلف قومیں حیرت زدہ ہوکر اور حسرت سے مسلمانوں کی داستانیں ایک دوسرے کوسنایا کرتی تھیں۔ مختلف قومیں مسلمانوں کی ترقی کو' ان کے عروج کو' اور ان کے غلبے کو' دیکھ کر رشک کیاکرتی تھیں لیکن تاریخ نے پھر یہ بھی دیکھاکہ پندرہویں صدی کے اختتام پر مسلمانوں کے ہاتھ سے اندلس نکل گیا(جہاں تقریباً مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک نہ صرف حکومت قائم کی تھی بلکہ مسلمان علوم اور مادّی علوم وفنون میں بھی پوری دنیاکے امام بن گئے تھے) یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ کیوں ہوا؟ اس کاجواب ہمیں تاریخ کے اوراق بہتر انداز میں دے سکتے ہیں۔ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ جس دن مسلمانوں کاسیاسی زوال شروع ہوااس دن سے ہی یورپ کی ترقی کا آغاز شروع ہو گیاتھا۔ اندلس کی تباہی کے نتیجے میں مسلمان پوری دنیامیں زوال کی طرف لڑھکنے لگے تھے' اور یورپ میں اسی تباہی کے بعد سے ہی ترقی کا آغاز شروع ہو گیاتھا۔ ورنہ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ یورپ اس(سقوطِ اندلس)تباہی سے پہلے جہالت کی گھٹاؤں اور گھٹاٹوپ اندھیروں میں ڈوباہوا تھا۔ پھر تاریخ نے دیکھاکہ دنیامیں دو ایسے واقعات ہوئے کہ جس نے پوری دنیاکی تاریخ اور جغرافیہ کو ہی بدل ڈالا۔ اندلس کے سقوط کے سوسال بعد ایک طرف امریکہ کو دریافت کرلیاگیا' دوسری طرف ہندوستان کا بحری راستہ "واسکوڈی گاما" نے دریافت کرلیا۔ ان دوواقعات نے قوموں میں انقلاب برپاکر دیا

پھر ان دونوں واقعات کی وجہ سے دنیا میں دو انقلاب ایسے آئے کہ جنہوں نے پوری دنیا کی زندگی کا رُخ بدل ڈالا۔ وہ دو انقلاب ہیں انگلستان کا صنعتی انقلاب اور فرانس کا سیاسی انقلاب۔

واضح رہے کہ برصغیر (پاک و ہند) میں مسلمانوں کی جو سیاسی حالت تھی وہ ان ہی انقلاب کی وجہ سے تھی ظاہر ہے انگلستان یعنی برطانیہ پورے برصغیر پر قابض تھا' برصغیر پاک وہند میں انگریزی دورِ حکومت میں جس طرح علمی و عملی زوال آیا وہ ایک تاریخ کا حصہ ہے کہ اس دور میں ایک ایسی فضا بنائی گئی کہ مسلمانوں کا تعلق اہلِ علم حضرات سے دھیرے دھیرے کٹتا گیا' مسلمانوں کی فکری اور تعمیری ذہن پر اسلامی رنگ کے بجائے مغربی سیاہ بادل چھانے لگے کہ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ایسا زبردست فکری زوال آیا کہ خود مسلمانوں نے دائرہ اسلام کو سمیٹ کر نماز، روزے تک محدود کر لیا۔ اور جب مسلمانوں نے دائرہ اسلام کو محدود کیا تو حکومتی نظام ایسے لوگوں کی وراثت سمجھے جانے لگا کہ جن کو دور دور تک اسلام کی سوجھ بوجھ نہ تھی۔ خود مسلمانوں کی اکثریت اس بات سے لاعلم تھی کہ اسلام نے ہمیں حکومتی نظام کے لیے کیا لائحہ عمل دیا ہے؟

مسلمانوں کی اس بے فکری و لاپرواہی و لاعلمی کی وجہ سے خود مسلمانوں کی رغبت جمہوریت، سوشلزم، اور کمیونزم اور اس طرح کے دوسرے نظاموں کی طرف ہو گئی۔ اسی وجہ سے مسلمان بے دست و پا ہو کر ان نظاموں کے شکنجے میں (خاص طور پر جمہوریت (Democrecy) اس طرح پھنس گئے کہ تقسیم کے بعد بھی برطانیہ کا دیا ہوا نظام رائج رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اب یہ نظام اتنا راسخ ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اس نظام کے منفی پہلوؤں کو جاننا اور پھر جان کر اس نظام سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل دکھائی دے رہا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اسلام دنیا کا یگانہ مذہب بھی ہے اور دنیا کی سب سے بڑی طاقت بھی' اسلام جس طرح پوری انسانیت کی مذہبی، اخلاقی، اور اُخروی کامیابی کا سب سے آخری اور مکمل قانونِ ہدایت ہے اسی طرح وہ ایک ایسی لافانی سیاسی طاقت بھی ہے جو انسانوں کے عام فائدے، عام بہتری اور عام تنظیم کے لیے حکومت و سیاست سے اپنے تعلق کا برملا اظہار کرتی ہے۔ یہ ایک حقیقی سچائی ہے کہ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ مذہب کی حیثیت سے کچھ اور بھی ہے' اس کو حکومت، حاکمیت، سیاست و سلطنت سے وہی تعلق ہے جو اس کائنات کی کسی بھی بڑی حقیقت سے ہو سکتا ہے۔ اس کو فقط ایک ایسا نظام نہیں کہا جا سکتا ہے کہ جو صرف باطن کی اصلاح کا فرض انجام دیتا ہے بلکہ اس کو ایسا دینی نظام بھی سمجھنا چاہیے جو خدا ترس و خدا شناس روح کی قوت سے دنیا کے مادّی نظام پر عالمگیر غلبہ کا دعویٰ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم جو اسلامی تصورات و نظریات کا سرچشمہ ہے اور اسی طرح احادیثِ نبوی جو قرآنی آیات کی ترجمان و شارح ہے ان کا ایک بہت بڑا حصہ اسلام اور حکومت و سیاست کے تعلق کو ثابت کرتا ہے۔ کہیں تاریخی انداز میں، کہیں تعلیمات کے پیرائے میں، اور کہیں نعمت الٰہی کو ظاہر کرتے ہوئے ہم پر یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اسلام اور حکومت کے درمیان صرف تعلق ہی نہیں بلکہ اسلام کے بنیادی عقیدے و تصور کے مطابق چونکہ یہ زمین خدا کی ملکیت ہے اور اس زمین میں حکومت خدا کا حق ہے' اس لیے اسلام کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ اس

زمین پر خدا کی حکومت قائم کی جائے' اور اس کا اُتارا ہوا قانون نافذ کیا جائے۔ یہاں یہ بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ ہم میں سے کچھ کج فکر لوگ مذہب اور سیاست کے درمیان تفریق کی دیوار حائل کر کے اسلام کو حکومت وسیاست سے بلکل بے تعلق و بے واسطہ رکھنا چاہتے ہیں' وہ دراصل مسلم مخالف عناصر کے اس شاطر دماغ کی سازش کا شکار ہیں کہ جو خود حقیقی معنوں میں آج تک حکومت کے درست نظریات سے ناواقف ہیں۔ اگر تاریخ کے دریچوں میں جھانکا جائے تو ہم پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گی کہ یورپ اور امریکہ نے سیاست کو دین و مذہب سے علیحدہ سترہویں صدی سے اٹھارہویں صدی کے درمیان کیا' نہیں تو اس سے پہلے یورپ اور امریکہ میں حکومت کو دین و مذہب سے الگ کرنے کا تصور تک نہ تھا۔ ان ملکوں میں صدیوں پاپائیت (Theocracy) نے راج کیا کہ جب دین و مذہب کے نام پر کیا کچھ نہیں کیا گیا۔ جبر و تشدد، ظلم و ستم کے کون کون سے طریقے نہیں اپنائے گئے؟ دین و مذہب کو کس طرح مسخ کر کے پیش کیا گیا؟ کس طرح مغفرت نامے بانٹے گئے؟ کس طرح جنت کے پروانے جاری کیے گئے؟ کس طرح ذرا سی مخالفت پر لوگوں کو زندہ جلا دیا گیا؟ اور کس طرح بائبل کا ترجمہ کرنے کو جرمِ عظیم قرار دے دیا گیا۔ غرض تھیوکریسی (Theocracy) کی داستانیں الَم جو چھپائے نہ چھپتی ہے' اس نے وہ وہ کارنامے سرانجام دیے ہیں کہ جس کے تصور سے عصرِ حاضر میں انسانیت کانپ جاتی ہے اس نے وہ کچھ کیا کہ جسکی مثالیں پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔ یوں تو صدیوں اس نظام و نظریے (تھیوکریسی) کا چلن رہا پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب اس نظریے سے بغاوت کی گئی اس نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے نظریہ سیکولرزم کو وجود میں لایا گیا۔ اور اس نظریے کی ضرورت و اہمیت جتلانے کے لیے بڑے بڑے جھوٹے فلسفے گھڑے گئے۔ جیسے ایک فلسفہ یہ کہ جب تک حکومت وسیاست کو دین و مذہب سے جدا نہیں کیا جائیگا تب تک ترقی ممکن نہیں۔ اسکے برعکس اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی کا نام ہے اور وہ حیاتِ انسانی کے ہر پہلو کے لئے ہدایات دیتا ہے اسی ہدایات کا نام شریعت ہے۔ قرآن پاک میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں اور پوری شریعت کی اتباع کریں۔ اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ !(يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّة) "اے ایمان والوں اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"۔

اسی طرح اسلام نے اپنی پوری تاریخ میں ریاست کی ضرورت کو کبھی نظرانداز نہیں کیا۔ تمام انبیاء کرامؑ کی مرکزی دعوت و مرکزی جدو جہد یہی رہی کہ اقتدار خدا اور صرف خدا کے لئے ہو جائے۔ تمام انبیاء کرامؑ کی پکار یہ تھی کہ !(اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰه) "کہ حکم اور قانون خدا کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے"۔ اسی طرح فرمایا کہ !(اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ) "کہ خبردار تخلیق اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کے لئے ہے"۔ اللہ تعالیٰ کی ان مقدس ہستیوں نے زندگی کے ہر شعبے کی اصلاح کی جدوجہد کی تاکہ اس روئے زمین پر صرف اور صرف خدا کا قانون اور خدا کا دین جاری وساری ہو۔ واضح رہے کہ ان مقدس ہستیوں (انبیاء کرام) کی محنت و جدوجہد پوری زندگی کی اصلاح کے لئے تھی اور حکومت و ریاست کی اصلاح اس کے ذرائع میں سے ایک اہم ترین ذریعہ تھی۔

اسلام ایک نظام زندگی ہے جو افراد کی ذاتی زندگی کی اصلاح کے ساتھ ساتھ پورے معاشرے کی اصلاح کا علمبردار ہے۔اسلام زندگی کے تمام انفرادی واجتماعی معاملات کے لیے ابدی راہنمائی دیتاہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ایسا دستور عطا کر دیا ہے کہ اگر انسان اس پر حقیقی معنوں میں عمل کرے تو خلیفۃ اللہ کے لقب کا مستحق بن سکتا ہے۔

اسلام وہ واحد نظام ہے جو تمام معاملات میں اجتماعی نظم کا خواہاں ہے اور وہ اپنا ہر کام نظم وضبط اور سمع وطاعت کی صورت میں کرانا چاہتا ہے۔گھر کی چار دیواری سے لے کر اُمور مملکت چلانے تک ہر کام کے لیے اسلام نے ایک مربوط نظام دیاہے۔اسلام اجتماعی زندگی پر بھر پور زور دیتاہے۔اسلامی مملکت کی نظریاتی وجغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کے لیے مضبوط اسلامی حکومت ناگزیر ہے۔امیر یا حاکم کی اطا عت جائز کاموں میں لازمی ہے۔اسلامی ریاست ان تمام غیر مسلموں کی جان مال عزت و آبرو کی محافظ ہے کہ جو ایک وفادار شہری کی حیثیت سے ملک میں رہتے ہوں یا عارضی طور پر کسی معاہدے کے تحت اقامت پذیر ہوں۔اسلامی حکومت کے سربراہ کا فرض ہے کہ وہ اپنی تمام رعایا کا ہمدرد، خیر خواہ اور مربی ہو' ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے وہ اپنی ساری ریاستی طاقت نیکیاں پھیلانے، برائیاں ختم کرنے، جہالت، بے دینی، افلاس اور گناہوں کے خاتمے کے لیے استعمال کرے۔یہی انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد تھا کہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی غلامی میں دے دیا جائے۔

دورِ حاضر میں اگر ہم اپنے ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیں تو ہمیں اس بات کا اندازہ ہو گا کہ آج کے دور کے نہ صرف طالب علم میں، عوام الناس میں، یہاں تک کہ پڑھے لکھے حلقوں میں لفظ "سیاست" ایک برائی کے معنوں میں استعمال ہونے لگاہے۔کوئی سیاست کو جھوٹ، فریب، دھوکے بازی سے تعبیر کرنے لگاہے تو کوئی منافقت سے۔کوئی اب تمہاری باری سے جاننے لگا ہے تو کوئی اس کو دین سے بلکل الگ سمجھنے لگاہے۔غرض سیاست مختلف منفی معنوں میں یاد کیا جانے لگاہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیاست کے متعلق یہ خود کار منفی نقطہ نظر کس طرح وجود میں آگیا کہ جس سے سیاست کا اصلی مقصد ہی پوشیدہ رہ گیا؟ کہاں سیاست کا مقصد تھا کہ دوسروں کو سنوارے، معاشرے کی اصلاح کریں، دوسروں کے لیے بہتری لائیں، دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں، دوسروں کا حق اس کی دہلیز تک پہنچائیں، سچ سے کام لیں، ایمانداری کو اپنائیں۔اور کہاں سیاست کو اس کے بلکل بر عکس سمجھ لیا گیا۔یقیناان سوالوں کے جوابات مطلوب رہے ہونگے۔

دورِ حاضر میں اگر ہم اپنے ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ بات معلوم ہو گی کہ ہمارے معاشرے میں سیاست کے متعلق لوگوں کے نظریات مختلف نوعیت کے ہیں۔کوئی سیاست کو جھوٹ، فریب، دغابازی سے تعبیر کرتا ہے تو کوئی سیاست کو دین سے بلکل الگ سمجھتا ہے۔(یعنی کہ ایسے لوگوں کی نظر میں سیاست کا دین سے کوئی تعلق نہیں' دین اور سیاست دونوں الگ الگ ہیں۔ان لوگوں کی نظر میں دین صرف نماز، روزہ اور ایسی ہی مخصوص عبادت کا نام ہے دین سے بہر حال اس کا کوئی واسطہ نہیں)۔اور اس کے بر خلاف کوئی سیاست کو مقصود بالذّات جانتا و سمجھتا ہے۔یعنی کہ ایسے لوگوں کے نظریات ہمیں یہ پیغام دیتے ہیں کہ دنیا میں سیاست ہی سب کچھ ہے۔ان لوگوں نے

سیاست کے حق میں اپنے نظریات کچھ اس طرح بیان کیے ہیں اور سیاست کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے کچھ اس طرح ملا دیئے ہیں کہ ان کے نظریات اور ان کی تعریفی قلابوں کو دیکھ کر ایک عام انسان یہ سمجھنے لگا ہے کہ دنیا میں سیاست ہی سب کچھ ہے۔ اس کے علاوہ ان تعریفی قلابوں کو دیکھ کر ایک پڑھا لکھا شخص یقیناً یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتا ہے کہ دین و مذہب کی مخصوص عبادتیں تو محض ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن کیا حقیقت یہی ہے؟ ان سوالوں کے جوابات ہمیں قرآن و حدیث بہتر انداز میں دے سکتے ہیں کہ قرآن و سنّت سیاست کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ اور اگر قرآن و سنّت کی نظر میں سیاست کا کچھ مقام ہے بھی تو اسکی حدود کیا ہیں؟ لیکن اس نکتے پر بحث کرنے سے پہلے اور قرآن و سنّت کا مؤقف بیان کرنے سے پہلے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ لفظِ "سیاست" اور لفظِ "پالٹیکس" (Politics) پر مختصر بحث کر لی جائے تاکہ بات جاننے و سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جائے، اور سیاست کی مبہم شکل حقیقی شکل بن کر ہمارے سامنے آ جائے۔ سب سے پہلے ہم لفظِ سیاست پر بحث کرینگے اور پھر لفظِ پالٹیکس پر۔ تاکہ ان دونوں لفظوں کی جداگانہ حیثیت ان دونوں میں تقابل اور ان دونوں میں فرق ہمیں احسن انداز میں معلوم ہو جائے۔ پھر اس کے بعد ہم علمِ سیاست پر بات کرینگے اور پھر ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آئینگے کہ قرآن و سنّت سیاست کے متعلق کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں؟

لفظِ سیاست: لفظِ سیاست دورِ حاضر میں مختلف تعریفوں اور مختلف معنوں میں استعمال ہو رہا ہے اور یہ بات بجا ہے کہ ان تعریفوں اور ان مختلف معنوں کی وجہ سے سیاست کی اصل تعریف سیاست کا اصل معنیٰ اور سیاست کا اصل مفہوم پوشیدہ ہو کر رہ گیا ہے۔ کیونکہ یہ اُصول ہے کہ جس معاشرے میں ایک اچھی چیز کو مسخ کر کے پیش کیا جائے اور اس پر دوام بھی کیا جائے اور کثرت کا اظہار بھی کیا جائے۔ تو وہ اچھی چیز اچھی چیز نہیں رہتی، بلکہ وہ ایک نفرت و قابلِ ملال چیز بن جاتی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ ایک حقیقی اُصول یہ بھی ہے کہ ایک اچھی چیز اپنی حقیقت کے اعتبار سے ہمیشہ اچھی ہی رہتی ہے۔ چاہے پوری دنیا اس کو مسخ کر کے پیش کرے اس مسخ کر کے پیش کرنے سے اس کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی کہ پوری دنیا کی نظر میں وہ اچھائی قابلِ نفرت و قابلِ ملال تو ہو سکتی ہے لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ اچھائی اچھائی ہی رہتی ہے۔ اس نکتے کو صفحہ قرطاس کرنے کی ضرورت ہمیں اس وجہ سے محسوس ہوئی کہ ہمارے معاشرے میں لفظِ سیاست کا حال اس نکتے سے کم نہیں۔ قرآن مجید میں لفظ "سیاست"، ہمیں کہیں نہیں ملے گا، اس مفہوم کے لیے قرآن کریم کی اپنی اصطلاحات ہیں۔ حاکمیت کے تصور اور زمینی اقتدار کے لیے قرآن کریم نے ان الفاظ کا انتخاب کیا ہے جیسے "تمکن فِي الارَضْ"، "استخلاف فِي الارَضْ"، اور "تحکم بَيْنَ النَّاس"۔ واضح رہے کہ یہ اصطلاحات ان آیات سے ماخوذ ہیں جیسے "تحکم بَيْنَ النَّاس" کے لیے ارشاد ہے۔ (اِنَّ اللهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ)(1) "بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل لوگوں کو پہنچاؤ اور انسانوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو"۔ اسی طرح "استخلاف فِي الارَضْ" کے لیے (وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لیستخلفنهم فِي الْاَرْضِ)(2) "وعدہ کیا اللہ نے تم میں سے ایسے لوگوں کے ساتھ وہ ایمان لائیں

اور اعمال صالح کریں تو اللہ انہیں ضرور زمینی اقتدار دے گا"۔اور اسی طرح "تمکن فی الارضْ" کے لیے(اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃ)(3)"اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کرینگے"۔

ان آیات میں جن اُصولوں کو بیان کیا گیا ہے انہیں عصرِ حاضر میں سیاست سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے ابن خلدونؒ نے اسے "کِفَالَتہ لِلْخَلْق "اور" خِلَافَتہ اللہ"(یعنی مخلوق کی سرپرستی اور اللہ کی نیابت سے) سے موسوم کیا ہے۔(4) اور اسی طرح امام غزالیؒ نے اسے "اِسْتِصْلَاحُ الْخَلْقِ "(یعنی مخلوق کی اصلاح کا کام) سے تعبیر کیا ہے۔(5)

لفظِ سیاست عربی زبان کا لفظ ہے کہ جو ساس 'یسوع' سوس سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ ہیں "اصلاح کرنا، اور سنوارنا"۔ اب یہ کس چیز کو سنوارا جائے ؟اور کس چیز کی اصلاح کی جائے ؟تو اسی نکتے کو امام غزالیؒ نے اس انداز میں بیان فرمایا ہے کہ !"اِسْتِصْلَاحُ الْخَلْقِ وَاِرْشَادَھُمْ اِلَی الطَّرِیْقَ الْمُسْتَقِیمُ المنجی فِی الدَّنْیَا وَالاٰخِرَہ"(6)"سیاست نام ہے مخلوق کی اصلاح کرنے کا' اور رہنمائی کرنے کا اس سیدھے راستے کی طرف کہ جو دنیا و آخرت کی نجات کا ذریعہ ہو"۔

لفظِ سیاست کو امام غزالیؒ نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ ایک عام شخص بھی اس بات کو با آسانی جان و سمجھ سکتا ہے کہ سیاست جھوٹ، فریب، دھوکہ بازی، منافقت کو نہیں کہتے۔ سیاست دین سے جدا ہونے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ سیاست تو مخلوق کو سنوارنے کا نام ہے۔ عوام النّاس کی درست راہنمائی کرنے کا نام ہے۔ لوگوں کی اصلاح کرنے کا نام ہے۔ لوگوں کو اس راستے کی طرف گامزن کرنا جس میں دنیا و آخرت کی بھلائی کامیابی و کامرانی ہو' اس کا نام سیاست ہے۔ اسی طرح امام غزالیؒ کا ایک اور نکتہ (سیاست کے متعلق) ان لوگوں کے لیے بلا شبہ مشعلِ راہ ہے کہ جو لوگ سیاست کو مکر و فریب اور دھوکے کا نام دیتے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ !"وَھِیَ التَالِیف وَ التَعَاون وَالاِجْتِمَاع عَلٰی اَسْبَابِ المَعِیْشَۃ وَضَبْطِھَا"(7)"کہ سیاست وہ تدبیر ہے جو زندگی کے مسائل اور ان کے دائرے میں افراد و معاشرہ کے درمیان باہمی محبت اور اتحاد و تعاون پیدا کرتی ہو"۔ یعنی کہ سیاست کا معنیٰ مکر و فریب، دھوکہ دہی اور ایک دوسرے کو لڑانا نہیں ہے۔ بلکہ سیاست تو اس حکمتِ عملی کا نام ہے جو اخوت و محبت اور اتحاد و اتفاق پیدا کرتی ہو۔ بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے کہ سیاست کو جھوٹ فریب اور منافقت کا نام دینے والے' اور ان ہی جیسے الفاظ کا پرچار کرنے والے دورِ حاضر کی سیاست کو دیکھ کر اور سیاستدانوں کے بد اعمالیوں کو دیکھ کر مایوس ہوئے اور مایوس ہو کر ہی ان کا یہ مؤقف بنا۔ لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے اور یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ ہم طرزِ سیاست اور ان بد اعمال سیاستدانوں کو قصوروار ٹھہرانے کے بجائے بذاتِ خود سیاست کو ہی قصوروار ٹھہرائیں۔

اور پھر سیاست سے ہی نفرت کرنے لگیں۔ سیاست کو ہی جھوٹ، فریب، و منافقت کا نام دیں۔ سیاست تو اپنے حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کی قدر بہر حال ہمیں کرنی چاہیے۔ ابنِ منظورؒ سیاست کے متعلق کہتے ہیں کہ !"وَالسِیَاسَتہ الْقِیَام عَلَی الشَّئِی بِمَا

یُصْلِحُہ وَالسِیَاسَتہ فعل　السَاءِسْ "(8)" کہ سیاست کسی چیز کی اصلاح کے لیے کمربستہ اور کھڑے ہو جانے کو کہا جاتا ہے اور سیاست ایک مدبر اور قائد کا کام ہے"۔ امام غزالیؒ و ابن منظورؒ اور ان جیسے فلاسفر سیاست کے متعلق ایک ہی رائے رکھتے ہیں کہ سیاست مخلوق کو سنوارنے کا نام ہے۔ سیاست عوام الناس کی اصلاح کرنے کا نام ہے۔ سیاست لوگوں کو اس راستے کی طرف گامزن کرنے کا نام ہے کہ جس میں لوگوں کو دنیوی و اُخروی کامیابی حاصل ہو۔

اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے سیاست کا معنی تدبیر ریاست یعنی ملک و قوم کی ترقی کے لیے کام کرنا ہے۔ اسی سے سائیس نکلا ہے کہ جس کے معنی سرداری و راہنمائی کے ہیں۔(9) یعنی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سیاست اس تدبر اور حکمت کا نام ہے جو انسانی معاشرے کو منظم کرنے، اس کی اصلاح کرنے اور اس کا نظم و نسق چلانے کے لیے درکار ہے۔

لفظ پالٹیکس (Politics): لفظِ پالٹیکس (Politics) یونانی لفظ پولس (Polis) سے ماخوذ ہے کہ جس کے معنیٰ ہیں شہری حکومت۔ پالٹیکس اپنے یونانی معنوں میں تیرہویں صدی عیسوی کے اوائل میں فرانسیسی زبان میں استعمال ہونا شروع ہوا تھا۔(10) اُس دور میں سیاست کی تعریف اس طرح کی جاتی تھی کہ! "سیاست کا معنیٰ ہیں شہری حکومت کا علم و فن۔ علم سیاست اپنے عمومی مفہوم کے اعتبار سے ان تمام مفہوم پر مشتمل ہوتا ہے کہ جو انسانی معاشرے کے لیے اہمیت رکھتے ہیں"(11) لیکن تیرہویں صدی سے ارتقاء کرتے ہوئے لفظِ پالٹیکس اب فقط فنِ حکومت کے لیے استعمال ہونے لگا ہے(12) واضح رہے کہ سیاست کے وسیع مفہوم میں ریاست و حکومت کے تمام اُمور شامل ہو جاتے ہیں اور اس طرح انسان کے اجتمائی زندگی کے سبھی دائروں سے اس کا تعلق مربوط ہو گیا ہے جیسا کہ (Soltau) نے اس بارے کہا ہے(13) کہ! "Politics is the concern of everybody with any sense of responsibility"

عربی زبان کا لفظ سیاست لفظِ پالٹیکس (Politics) کے ہم پلّہ نہیں ہے۔ عربی زبان کا لفظ سیاست' اس کا معنی اور اس کا مفہوم بہت عام ہے۔ یعنی کہ اصلاحِ نفس اور مطلق اصلاحی کام، خاندانی سیاست، تعزیری سیاست، سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اس کے بر خلاف لفظِ پالٹیکس' یہ صرف اور صرف ملکی اور قومی اور حکومتی سیاست کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ لفظ سیاست اپنے معنیٰ و مفہوم کے اعتبار سے بہت عام ہے کہ جس میں نہ صرف مخلوق کی اصلاح کرنا، مخلوق کو سنوارنا شامل ہے۔ بلکہ عوام الناس کو ایسے راستے کی طرف گامزن بھی کرنا ہے جس میں اُن کو دنیوی و اُخروی کامیابی حاصل ہو۔ اس کے برعکس لفظِ پالٹیکس یہ بہت ہی محدود معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد فقط ملکی و قومی اور حکومتی سیاست ہے۔ اس سے آگے لفظِ پالٹیکس اور کچھ نہیں۔

سیاست کا علم (ابتدائی تاریخ): سیاست کا علم کوئی آج کے زمانے کی پیداوار نہیں بلکہ یہ علم قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ سیاست کے موضوع پر سب سے پہلی کتاب افلاطون نے لکھی۔ افلاطون چونکہ سقراط کا شاگرد تھا اس نے اپنے استاد کی شاگردی کے دوران سیاست کے بارے میں مختلف باتیں کیں' اور بہت سی تعلیمات حاصل کیں' اور پھر افلاطون نے ان تعلیمات کو اپنی کتاب میں مرتّب کیا۔ افلاطون نے

اس کتاب کا نام "جمہوریہ" رکھا یہ کتاب سیاست کے موضوع پر سب سے پہلی کتاب ہے۔(اس کتاب کا انگریزی ترجمہ (Republic) کے نام سے شائع ہو چکا ہے(14)سیاست کے موضوع پر افلاطون کی یہ کتاب جمہوریہ اگرچہ بڑی ضخیم ہے لیکن اس زمانے کے طرزِ تالیف کے نقطۂ نظر سے اس کو سمجھنا بڑا مشکل ہے کیونکہ افلاطون کی یہ کتاب جمہوریہ مکالمات کی شکل میں ہے۔ یاد رہے کہ افلاطون کی صرف یہی کتاب جمہوریہ مکالمات کی شکل میں نہیں' بلکہ اس کی زیادہ تر تالیفات مکالمات کی شکل میں ہے۔ جیسے مثال کے طور پر وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ!"میری فلاں سے ملاقات ہوئی اس نے مجھ سے یہ سوال کیا اور میں نے اس کا یہ جواب دیا"۔(15)غالباً یہی وجہ ہے کہ افلاطون کے مکالمات دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ افلاطون کی یہ کتاب سیاست کے موضوع پر سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کتاب سے کوئی نتیجہ نکالنے میں اچھی خاصی دشواری پیش آتی ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں بہت سی باتیں ایک تو غیر واضح طریقے سے ذکر کی گئی ہیں۔ دوسری اس کتاب میں بہت سی باتیں تمثیلی انداز میں ہیں۔ لیکن بہر حال یہ بات ہمیں ماننی پڑے گی کہ افلاطون کو سیاست کے موضوع پر سب سے پہلی کتاب لکھنے کا اعزاز حاصل ہے۔(واضح رہے کہ افلاطون حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چار سو سال پہلے گزرا ہے)اور ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جمہوریہ کا لفظ سب سے پہلے افلاطون نے ہی استعمال کیا ہے۔ اس کے بعد ارسطو جو کہ افلاطون کے بے شمار شاگردوں میں سے ایک تھا اس نے افلاطون کے بے شمار شاگردوں میں نمایاں مقام حاصل کیا یہاں تک کہ ارسطو کا یہ مقام اپنے استاد افلاطون سے بھی بڑھ گیا کیونکہ مؤرخین کے نزدیک آج فلسفے میں شاید ارسطو کا نام افلاطون سے زیادہ مشہور ہے۔(16)ارسطو نے اپنے استاد کے فلسفے کے مختلف حصوں کو مدوّن کر کے کتابی شکل میں تیار کیا۔ اور بلاشبہ آج کے فلسفے اور سائنس کے تمام شعبوں مثلاً علم حیوانات، علم الطب، علم طبقات الارض، علم فلکیات، اور علم البصریات جیسے علوم کی بنیاد اسی نے ہی رکھی(17)

ارسطو نے ایک کتاب سیاست پر بھی لکھی کہ جس کتاب کا نام ہی "سیاست" ہے ارسطو کی یہ کتاب (سیاست) اپنے استاد افلاطون کی کتاب جمہوریہ کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ لیکن ایک اہم نکتہ کہ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ افلاطون کی کتاب جمہوریہ غیر مدوّن اور مکالمات پر مشتمل تھی۔ اس کتاب میں بعض باتیں غیر واضح اور تمثیلی انداز میں ذکر کی گئی تھی کہ جس کی وجہ سے اس کتاب کو آج کے زمانے کے طرزِ تالیف سے سمجھنا بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن ارسطو کی یہ کتاب "سیاست" پہلی مدوّن و مرتب کتاب ہے کہ جس میں اس نے سیاسی نظریات کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ پالٹیکس (Politics) کے نام سے چھپ چکا ہے۔ ارسطو نے اپنی کتاب سیاست میں سیاسی فلسفے کو جس انداز میں بیان کیا ہے اس انداز کو دیکھ کر آج بھی علمِ سیاست کے ماہرین اس بات پر اتفاقِ رائے رکھتے ہیں کہ ارسطو کی یہ کتاب سیاست' تمام بعد کے فکری نظریات کی بنیاد ہے۔(18)یاد رہے کہ اس کتاب کو لکھے ہوئے ایک طویل عرصہ ہو چکا ہے۔ ارسطو نے یہ کتاب سیاست' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے تقریباً تین سو یا ساڑھے تین سو سال پہلے لکھی تھی۔

غرض سیاست کا علم ایک قدیم علم ہے اور سیاست کے علم کے مباحث بہت دور سے چلے آرہے ہیں۔ علم سیاست پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ لیکن یہ سارے کے سارے فلاسفر چاہے وہ سقراط ہو یا افلاطون و ارسطو محض اپنے خیالی قلعے کی تعمیر کرتے رہے ہیں۔ اور یہ سب ذاتی نظریات کی بنیاد پر ہی اپنی کتابوں کی تالیف کرتے رہے ہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ جب مسلمان اہلِ علم نے اس موضوع یعنی علمِ سیاست پر قلم اٹھا یا تو ان کے پاس اللہ کے فضل و کرم سے قرآن و سنّت کی روشنی موجود تھی۔ مسلمان اہلِ علم نے جب اس موضوع پر کام کیا تو انہوں نے "السِیَاسَتہ الاِسْلَامِیَہ" کے نام سے باقاعدہ ایک علم و فن کی بنیاد ڈالی' کہ جس پر متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ اب ہم اپنے اصل موضوع کو زیرِ بحث بنائیں گے کہ سیاست کو قرآن و سنّت کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ اسلام نے سیاست کے متعلق کیا راہنمائی فرمائی ہے؟ اور قرآن و سنّت کی رُو سے اسلام میں سیاست اور سیاسی سرگرمیوں کا کیا مقام ہے؟

سیاست کے متعلق پہلا نظریہ: پیچھے اس نکتے کا مختصر ذکر ہو چکا ہے کہ اسلام اور سیاست کے تعلق کے بارے میں دورِ حاضر میں دو ایسے نظریات پھیل چکے ہیں کہ جو اپنے اندر افراط و تفریط رکھتے ہیں۔ ایک نظریہ تو یہ ہے کہ سیاست و حکومت کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ جن کے نزدیک اسلام بھی دوسرے مذہب کی طرح انسان کا ذاتی و انفرادی معاملہ ہے۔ جس کا تعلق فقط اس کی اپنی ذاتی زندگی سے ہے سیاست و حکومت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ نظریہ سیکولرزم کے نام سے جانا جاتا ہے کہ جو درحقیقت عیسائی تھیوکریسی کا شاخسانہ اور اس کی خرابیاں سامنے آنے کے بعد ایک ردّ عمل کے طور پر اپنایا گیا تھا۔

سیاست کے متعلق دوسرا نظریہ: اس کے برخلاف دوسرا نظریہ یہ ہے کہ جنہوں نے سیکولرزم کی تردید اس شدّت کے ساتھ کی کہ سیاست کو ہی اسلام کا مقصودِ اصلی قرار دے دیا۔ یعنی یہ کہ اسلام کا مقصد ہی یہ ہے کہ دنیا میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم کیا جائے جو عدل کے وصف سے مزیّن ہو۔ اوراسلام کے باقی سب احکام اس مقصودِ اصلی کے تابع ہوں۔ یعنی کہ جو شخص سیاست کے میدان میں دین کی سربلندی کے لیے کام کر رہا ہے یہ شخص س بات کا مستحق ہے کہ اس نے دین کے مقصودِ اصلی کو پالیا ہے۔ اور اس کے برعکس جو لوگ سیاست سے کنارہ کش رہ کر اصلاحِ نفس، یا تعلیم و تبلیغ جیسے کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور ایسے لوگوں کا سیاست میں کوئی کردار نہیں تو گویا وہ لوگ دین کے اصل مقصد سے غافل ہیں۔

سیاست کے متعلق اسلام کی تعلیم: جاننا چاہیے کہ یہ دو نظریات افراط و تفریط سے پُر ہیں کہ جو ظاہر ہے اسلام میں سیاست کے صحیح مقام سے ناواقفیت پر مبنی ہیں۔ اسلام کی تعلیمات و ہدایات ہر شعبے سے متعلق ہے جس میں سیاست بھی داخل ہے۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ سیاست کو مقصودِ اصلی قرار دے کر باقی احکام کو اس کے تابع قرار دینا یہ غلط ہے۔(19) جس طرح اسلام نے نکاح و تجارت کے بارے میں بڑے تفصیلی احکامات عطا فرمائے ہیں۔ بلکل اسی طرح اسلام نے سیاست کے بارے میں بھی اُصولی ہدایات اور احکام عطا فرمائے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ان احکام کی وجہ سے نکاح، تجارت اسلام میں اصل مقصود ہیں تو یقیناً یہ بات غلط ثابت ہو گی۔ اسی طرح سیاست کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اسلام کا مقصودِ اصلی ہے۔ ہاں البتہ اسلام نے سیاست کے متعلق اُصولی ہدایات اور احکامات و فضیلت یقیناً بیان فرمائے

ہیں۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ خود اپنے محبوب پیغمبر کو یہ دعا سکھلاتے ہیں کہ !(وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَاَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَ اجْعَلْ لِي مِن لَّدُنكَ سُلْطَاناً نَصِيرًا)(20)"اور (اے نبی) دعا کرو، اے پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال۔ اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنادے"۔ ذرا غور کریں تو ہمیں یہ بات بخوبی احسن انداز میں معلوم ہوگی کہ اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اے اللہ یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر، یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنادے تاکہ اس طاقت سے میں دنیا کے بگاڑ کو درست کر سکوں۔ برائیوں کے سیلاب کو روک سکوں، نیکیوں کو قائم کر سکوں۔ اور تیرے قانونِ عدل کو جاری کر سکوں۔ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر حسن بصریؒ اور قتادہؒ نے بھی تقریباً یہی کی ہے اور اسی کو ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ جیسے چوٹی کے مفسرین نے اختیار کیا ہے اور اس نکتے کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہیں۔ جیسے کنزالعمال میں ایک حدیث مذکور ہے کہ !"اَلاِسْلَام وَالسُلْطَان اَخوان لَو اَمان لاَ يُصْلِحُ وَاحِدمِنْهُمَا اِلاَّ لِصَاحِب فَا لاِسْلَام اُسس وِالسُلْطَان حَارس وَمَالاَ اسس لَہُ لیھدم وَمَالاَ حَارس لَہُ ضَائع "(21)"اسلام حکومت وریاست دو جڑواں بھائی ہیں دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے"۔ اسی طرح ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں اس نکتے کو اُجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ !"اِنَّ اللہ لیذعُ بِاالسُلْطَان مَالاَ یَذع بِاالْقُرْآن" (22)"اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدِّباب کر دیتا ہے کہ جن کا سدِّباب قرآن سے نہیں کرتا"۔ اسی طرح قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں کہ !(وَلَقَدْ اٰتَيْنَا آلِ اِبْرَاهِيمَ الْكِتَابِ وَالحِكْمَتہ وَاٰتَيْنَاهُمْ مُلكاً عَظِيْمًا)(23)"ہم نے ابراہیم والوں کو کتاب وحکمت دی اور بڑی سلطنت بخشی"۔ اسی طرح حضرت داوٴد علیہ السلام سے خطاب ہوا کہ !(يَادَاوٗدَ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَتہ فِي الاَرضِ (24)"اے داوٴد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے"۔ اسی طرح داوٴد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس نعمت کی وسعت کے لیے اللہ تعالیٰ سے باقاعدہ دعا مانگی کہ !(رَبِّ اغْفِرْلِي وَهَبْ لِي مُلكاً لاَ يَنْبَغِي لِاحِدٍ مِن بَعْدِى)(25)"اے میرے پروردگار میری مغفرت کر اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا کر کہ میرے بعد کسی کو شایان نہ ہو"۔ اسی طرح ایک حدیث جو متفق علیہ ہے اس حدیث میں سیاست وحکومت کو فریضہ انبیاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔"قَالَ اَبُو حَازم قاعدت اَبَاهُرِيرة خمس سنين فَسَمعته يحدث عَن النبي قَالَ كَانَتْ بَنُو اِسرائيل تسوسهم الاَنْبِيَاء كلماهَلك نبي خلفه نبي وَاَنّه لاَ نَبِيَّ بَعْدِى وَسيكون خلفاء فيكثرون قالو فما تَامرنا يارسول الله قال فَوابيعته الاوّل فالاوّل اَعطوهم حقهم فَان الله سَائلهم عَمَّا استرعاهم "(26)"ابو حازم کہتے ہیں کہ میں پانچ سال تک ابو ہریرہؓ کی مجلس میں شریک رہا ہوں میں نے اُن سے سنا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کی سیاست اُن کے انبیاء کے ہاتھوں میں ہوتی تھی جب ایک نبی کا انتقال ہو جاتا تو دوسرا نبی اُس کی جگہ آجاتا تھا میرے بعد اب کوئی نبی نہیں آئیگا۔ اور

میرے خلفاء موجود رہینگے اور بعض اوقات بیک وقت ایک سے زیادہ ہونگے' صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ ایسی صورتحال کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی بیعت پہلے ہوئی ہو(یعنی پہلے تقرر ہوا ہو) اس کی بیعت پوری کرو(یعنی اطاعت کرو)۔ مزید فرمایا کہ خلفاء کا حق اطاعت ادا کرتے رہو اللہ تعالیٰ ان سے رعیت کے بارے میں خود پوچھے گا"۔ ان تمام قرآنی ارشادات اور احادیث نبوی سے یقینا اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ اسلام نے نہ صرف سیاست کے متعلق اُصولی ہدایات واحکامات دیے بلکہ اسلام نے ایک حد تک سیاست کی فضیلت' اہمیت وضرورت کو روشناس بھی کیا۔ یہی وجہ ہے کہ محققین کرام نے اس رائے کو دینا مناسب وضروری سمجھا۔"کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت حکومت وسلطنت اور دنیا کی سیاست ہے' یہاں تک کہ کتاب وسنّت کی دولت کے بعد اسی کا درجہ ہے"۔(27)

سیاست وحکومت کو مقصودِ اصلی قرار نہیں دیا جاسکتا: لیکن جہاں تک بات سیاست کو مقصودِ اصلی قرار دینے سے ہے یا پھر یہ بات ہم اپنے ذہنوں میں پیوست کرلیں کہ دین کا اصل مقصد سیاست وحکومت ہے۔ تو یقینا اس نکتے سے اور اس ذہنیت سے متعدد خرابیاں جنم لینگی۔ جیسے مثال کے طور پر یہ کہ جب سیاست کو مقصودِ اصلی قرار دے دیا جائے تو یقینا باقی ساری چیزیں اس کے تابع ہو جائینگی اور جو اعمال بلا واسطہ اور براہ راست عبادت ہیں وہ مقصودِ اصلی نہ رہینگے بلکہ مقصودِ اصلی کے تابع بن جائینگے۔ گویا وہ اعمال جو بلا واسطہ براہ راست عبادت ہیں ان کی قدر ومنزلت ان کی اہمیت گھٹ جائیگی۔ جب کہ ہمیں قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی اقتدار ذریعہ ہے اور بلا واسطہ عبادتیں اس کا اصل مقصود ہیں۔ سورۃ الحج میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک ہے کہ!(**اَلَّذِيۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ**)(28)"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں"۔ اس آیت باری تعالیٰ میں اقتدار کا مقصد یہ قرار دیا گیا ہے کہ نماز قائم کریں، نیکی کا حکم دیں، برائی سے روکیں وغیرہ وغیرہ۔ اس آیت سے ہمیں صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصودِ اصلی یہ عبادات ہیں اور اقتدار اس لیے مشروع ہے کہ وہ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔(29) اسی طرح جب سیاست کو ہی مقصودِ اصلی ٹھہرایا جائے اور کہا جائے تو اس تصور کا یقینا یہ نتیجہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء کرام اس دنیا میں بھیجے وہ(معاذ اللہ) دین کے اصل مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے گئے پیغمبروں(ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش) میں سے چند ہی ہیں کہ جنہوں نے اس دنیا میں حکومت قائم کی۔ حضور اکرم کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشع علیہ السلام، حضرت سموئیل علیہ السلام نے اس دنیا میں بے شک حکومتیں قائم کیں۔ لیکن ان نبیوں کے علاوہ اور کسی نبی کے متعلق حکومت قائم کرنا ثابت نہیں۔(30) تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ان نبیوں کے علاوہ کوئی اور نبی دین کا اصل مقصد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا؟ یقینا ہرگز نہیں۔ اسی طرح سیاست کو مقصودِ اصلی قرار دینے سے یہ خرابی بھی یقینا جنم لے گی کہ جب یہ ساری عبادتیں مقصودِ اصلی (یعنی سیاست) کو حاصل کرنے کا ذریعہ بن گئیں تو یقینا اس کا یہ نتیجہ ہونا چاہیے کہ اگر اس مقصد کے لیے کچھ قربانی دینی پڑے تو اس میں

کوئی حرج کوئی قباحت نہیں۔یعنی کہ اس کا صاف صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ سیاسی جد وجہد اور سیاسی اجتماعات کے خاطر مثلاً اگر کوئی نماز قضا ہو جائے تو کوئی فکر کی بات نہیں۔ تھوڑے بہت مکروہات سر زد ہو جائیں تو کوئی بات نہیں۔ اس اعلیٰ کو مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یہ سب کچھ گوارا کر لینا چاہیے۔ اسی طرح یہ خرابی بھی یقیناً جنم لے گی کہ جو حضرات دوسروں کو دعوت و تبلیغ دیتے ہیں' اچھی اچھی باتوں کی طرف رغبت دلاتے ہیں' خود بلا واسطہ عبادتوں میں مشغول رہتے ہیں تو ان حضرات کو اصل مقصد سے غافل سمجھا جائیگا۔ بلکہ مقصودِ اصلی (سیاست) کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی تحقیر اور ان کے ساتھ استہزاء کا معاملہ کیا جائیگا۔اسی طرح جو تصانیف فضائل اعمال کے متعلق ہو نگی ان کو نہ تو اہمیت دی جائیگی اور نہ ہی اس کو پڑھنے کی ضرورت سمجھی جائیگی۔اسی طرح جو لوگ علومِ دین کے حصول اور انکی خدمت میں مشغول ہونگے ان کو دین کی صحیح فکر سے محروم تصور کیا جائیگا۔

غرض اس بحث کا حاصل یہ نکلا کہ دین میں سیاست کی اہمیت اپنی جگہ مسلَّم ہے جس کا ذکر قرآن وسنت کی روشنی میں پیچھے ہو چکا ہے۔ لیکن اس کو دین کا مقصودِ اصلی یعنی اصل مقصد قرار نہیں دیا جاسکتا۔ دوسری طرف دین کو فقط چند عبادات تک محدود کرنا اور دوسرے شعبوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا یہ بھی بہت بڑی غلطی ہے۔ حقیقت یہی ہے (جس کا پیچھے مختصر ذکر ہو چکا ہے) کہ دین کے بہت سے شعبے ہیں جن میں سیاست بھی ایک اہم شعبہ ہے۔اس سے غفلت و کنارہ کشی اختیار کر کے اسے دین سے الگ سمجھنا یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔(31)دین پر عمل کے لیے اسلام کے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری ہے چاہے وہ کسی بھی شعبے سے متعلق ہوں۔ہاں البتہ اگر کوئی شخص کسی ایک شعبے کے لیے جد وجہد کرے۔ اس شعبے میں اپنا وقت، اپنی محنت، زیادہ لگائے۔ اور اس شعبے پر زیادہ توجہ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔لیکن اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں نے جو شعبہ اختیار کیا ہے وہ دین کا مقصودِ اصلی ہے۔ جبکہ وہ مقصودِ اصلی نہ ہو بلکہ جس طرح دین کے بہت سارے کام ہیں اسی طرح وہ بھی ایک کام ہو۔ تو یہ سمجھنا اس کے لیے خام خیالی ثابت ہو گا۔(32)مثلاً ایک شخص نے سیاست کا شعبہ اختیار کر لیا اب وہ اس شعبے میں زیادہ وقت بھی لگا رہا ہے، زیادہ محنت بھی کر رہا ہے، اور اس شعبے کو خوب توجہ بھی دے رہا ہے تو شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ اس شعبے پر زیادہ دلجمعی سے توجہ دے۔ لیکن اگر وہ شخص یہ کہے کہ سیاست سارے دین کا مقصودِ اصلی ہے تو یہ غلط ہے' اس شخص کے کہنے سے سیاست سارے دین کا مقصودِ اصلی نہیں ہو سکتا۔ہاں البتہ دین کا ایک اہم شعبہ ضرور ہو سکتا ہے۔(33)

تو حاصل یہ نکلا کہ نہ تو وہ سیکولر نظریہ درست ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ سیاست و حکومت میں دین ومذہب کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اور نہ ہی یہ نظریہ (خیال) درست ہے کہ دین کا اصلی مقصد ہی سیاست و حکومت ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دین کا اصل مقصد بندے کا اپنے پروردگار سے تعلق قائم کرنا ہے۔ جس کا اظہار ظاہر ہے عبادت وطاعت کے ذریعے ہو تا ہے۔

سیاست و حکومت بھی اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے' جو نہ بجائے خود مقصد ہے اور نہ اقامت دین کا مقصد اس پر موقوف ہے' بلکہ وہ حصولِ مقاصد کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔ لہٰذا اسلام میں وہی حکومت و سیاست مطلوب ہے کہ جو اس مقصد میں معاون ثابت ہو۔ لیکن اگر اس کے بر عکس جو سیاست اس مقصد کو پورا کرنے کے بجائے دین کے اصل مقاصد میں روڑے اٹکائے' انہیں مجروح کرے' تو وہ اسلامی سیاست کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔(34)

حکومت کی شرعی حیثیت: سیاست و حکومت کے متعلق دو نظریات اس قدر پھیل گئے ہیں کہ ان نظریات سے جان چھڑانا عہد رفتہ میں مشکل دکھائی دے رہا ہے۔ ان نظریات نے اپنی جڑیں اس قدر مضبوط کر لی ہیں اور یہ نظریات لوگوں کے ذہنوں پر اس قدر حاوی ہو گئے ہیں کہ اب ان نظریات کی تردید کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہتھیلی پر سرسوں جمانا۔ واضح رہے کہ یہ نظریات صدیوں سے چلے آرہے ہیں اور صدیوں سے آتے آتے آج بھی قائم و دائم ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں نظریات من گھڑت ہیں اور افراط و تفریط سے پُر ہیں۔

ان دونوں من گھڑت نظریات میں پہلا نظریہ سیکولرزم کا ہے۔ کہ جس کے نزدیک اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح انسان کا ذاتی معاملہ ہے جس کا تعلق بس اس کی اپنی ذاتی زندگی سے ہے۔ سیاست و حکومت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ واضح رہے کہ یہ نظریہ سیکولرزم عیسائی تھیوکریسی (Theocracy) کی خرابیاں سامنے آنے کے بعد ایک ردِّ عمل کے طور پر اپنایا گیا تھا۔

اسی طرح سیاست و حکومت کے متعلق دوسرا نظریہ جو افراط و تفریط کی انتہا پر ہے وہ اس پہلے نظریے کے بلکل بر عکس ہے۔ اس نظریے نے سیکولرزم کی تردید اس شدّت کے ساتھ کی ہے کہ سیاست و حکومت کو ہی مذہب کا مقصودِ اصلی قرار دے دیا۔ یعنی کہ اسلام کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ دنیا میں ایک عادلانہ سیاسی نظام رائج کیا جائے' مزید یہ نظریہ اپنے نظریات کی وضاحت کچھ اس طرح کرتا ہے کہ اسلام کے باقی سب احکام اس مقصودِ اصلی کے تابع ہیں۔ یعنی کہ جو شخص سیاست کے میدان میں دین کی سربلندی کے لیے کام کر رہا ہے وہ ایسا ہی ہے کہ جیسے اس نے دین کے مقصودِ اصلی کو پا لیا ہے۔ اس کے بر خلاف جو لوگ اصلاحِ نفس، دعوت و تبلیغ، اور اصلاحی معاشرے جیسے کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور سیاست میں ان کا کوئی کردار اور حصہ نہیں تو گویا وہ تنگ نظر اور دین کی اصل حقیقت سے غافل ہیں۔ ان دونوں نظریات پر اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں نظریات افراط و تفریط سے پُر ہیں۔ جو اسلام میں سیاست کے صحیح مقام سے ناواقفیت پر مبنی ہیں۔ اسلام کا نظریہ نہ تو یہ ہے کہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے کہ جس کا تعلق بس اسکی اپنی زندگی سے ہے سیاست و حکومت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ ہی اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ سیاست و حکومت ہی اسلام کا اصل مقصد ہے۔ پیچھے اس نکتے پر مختصر بحث کی جا چکی ہے کہ اسلام کی ہدایات و تعلیمات ہر شعبے سے متعلق ہیں جس میں سیاست د حکومت بھی داخل ہے۔ لیکن سیاست و حکومت کو مقصودِ اصلی قرار دے کر باقی احکام کو اس کے تابع قرار دینا یہ غلط ہے۔

سیاست و حکومت کے بارے میں اسلام نے بے شک بہت سے احکامات دیے ہیں۔ لیکن سیاست و حکومت کے متعلق کوئی تفصیلی نقشہ اسلام نے متعین نہیں کیا ہے۔ اسلام نے سیاست و حکومت کے متعلق اُصول و قواعد یقیناعطا فرمائے ہیں۔ لیکن ان اُصولوں کو کس طرح نافذ کیا جائے؟ کس طرح انکو عمل میں لایا جائے؟ اسکی تفصیلی جزئیات اسلام نے متعین نہیں فرمائی ہیں۔ اسلام نے ان اُصولوں کے نفاذ کے لیے اور ان اُصولوں کو عملی صورت میں لانے کے لیے ترجیحاً اہلِ علم اور اہلِ بصیرت کے فیصلوں پر اکتفاء کیا ہے۔ یعنی کہ ہر دور کے اہلِ علم اور اہلِ بصیرت اس بات کا فیصلہ کرینگے کہ ان اُصولوں کو کس طرح نافذ کیا جائے اور ان اُصولوں کو عملی صورت میں کس طرح لایا جاسکے۔

یاد رہے کہ جو اُصول اللہ تعالیٰ نے شریعت کے ذریعے سے ہمیں عطا فرمائے ہیں ان میں یقیناً کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان اُصول کی روشنی میں اور ان کی پوری پابندی کرتے ہوئے جو تفصیلی عملی طریقِ کار مسلمان اہلِ بصیرت طے کر لیں وہ درست ہے۔ جیسے فرمایا گیا کہ!(وَاعِدّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ)"تم دشمنوں کے مقابلے کے لیے جو تیاری کر سکتے ہو کرو"۔(35)اب اسلام نے یہ اُصول دے دیا کہ دشمنوں سے لڑنے کے لیے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے جو تیاری کی جاسکتی ہے وہ کی جائیں۔ لیکن اسلام نے اس جنگی تیاری کے سلسلے میں یہ تفصیل نہیں بتائی کہ دشمنوں سے مقابلے کے لیے فلاں فلاں اسلحہ بنایا جائے بلکہ اس بات کو ہر دور کے اہلِ علم، اہلِ بصیرت پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے عصر حاضر کے حالات اور اپنے دور کو دیکھ کر اپنی ضرورت کے مطابق طاقت بنائیں۔ بلکل اسی طرح اسلام نے سیاست و حکومت کے متعلق اُصولی ہدایات و تعلیمات واضح طور پر بے شک دے دی ہیں۔ لیکن اسلام نے یہ تفصیل نہیں بتائی ہے کہ حکومت کے کتنے محکمے قائم کیے جائیں؟ انتظامی اختیارات کو کس طرح تقسیم کیا جائے؟ طرزِ حکومت وحدانی ہو یا وفاقی؟ وزیر ہوں یا نہ ہوں؟ اور اس کے علاوہ مقننہ ایک ایوان پر مشتمل ہو یا دو ایوانوں پر؟ یہ سب کچھ اور یہ تمام تفصیلات اسلام نے متعین نہیں فرمائی ہیں۔

یہاں یہ نکتہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ شریعت کی ہدایات تو آتی ہی اسی جگہ ہیں جہاں شریعت یہ محسوس کرتی ہے کہ اگر اس بات کو لوگوں کی عقل پر چھوڑ دیا گیا تو لوگ گمراہ ہو جائیں گے۔ لیکن جہاں تک بات مباحات کی ہے تو اس میں اکثر معاملات کو انسان کی عقل و بصیرت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔(36)اس طرح ایک طرف تو اسلام میں اُصولِ سیاست ناقابلِ تبدیل ہیں۔ تو دوسری طرف اتنے لچکدار ہیں کہ ان پر عمل کا طریقِ کار زمان و مکان کے تقاضوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے انسانوں کی اپنی ثوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور اسی بات کے پیشِ نظر اسلام کے عائد کردہ اُصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے ان میں مختلف زمانوں میں تبدیلی بھی ہو سکتی ہے۔

اس نکتے سے معلوم ہوا کہ جب ہم اسلامی سیاست کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد کوئی ایسا لگا بندھا طریقہ حکومت نہیں ہوتا کہ جس کے جزئیات ہمیشہ کے لیے طے شدہ ہوں۔ بلکہ اس سے مراد وہ بنیادی تصورات اور وہ اساسی قواعد واُصول ہیں کہ جو قرآن و سنّت نے متعین فرما دیے ہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ نہ تو اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ دین ومذہب کو اپنی ذات تک محدود رکھو۔ اور سیاست و حکومت کے متعلق اس سے بلکل راہنمائی نہ لو۔ اور نہ ہی اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ سیاست و حکومت کو ہی دین مذہب کا مقصد سمجھ لیا جائے۔ اور اسی مقصد کے پیشِ نظر اسلام کے باقی سارے احکام کو اس کے تابع کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات وہدایات اور احکام زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہیں جس میں سیاست بھی داخل ہے۔ لیکن سیاست و حکومت کو مقصودِ اصلی قرار دے کر باقی احکام کو اس کے تابع کر دینا یہ غلط ہے۔

سیاست و حکومت بالواسطہ عبادت ہے نہ کہ بلاواسطہ: اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد کہ !(وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلاَّ لِیَعْبُدُون)(37) "اور میں نے انسان اور جنات کو کسی اور مقصد سے نہیں بلکہ اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں"۔ اس آیت کریمہ پر اگر غور کیا جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد واضح طور پر فرما دیا ہے کہ میں نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ واضح رہے کہ عبادت کے معنیٰ ہیں بندگی۔ عبادت کا لفظ عبد سے نکلا ہے جس کے لفظی معنیٰ غلام کے ہیں۔ جو شخص کسی کا غلام ہوتا ہے وہ اپنے آقا کے ہر حکم کی اطاعت کرتا ہے۔ لیکن وہ غلام اپنے آقا کی پرستش نہیں کرتا اسی لیے اس اطاعت کو عبادت نہیں کہتے۔ (38) لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے بندوں کا تعلق اطاعت کا بھی ہے اور پرستش کا بھی۔ بندگی کے مفہوم میں پرستش کے تمام طریقے بھی شامل ہیں اور زندگی کے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی۔ اسی لیے اس اطاعت اور اس پرستش کو عبادت بھی کہتے ہیں۔ (39) اب عبادت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ عبادت ہے کہ جن کا مقصد فقط اللہ تعالیٰ کی پرستش کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، وغیرہ یہ براہ راست عبادتیں ہیں۔ دوسری قسم عبادت کی وہ ہے کہ جس میں کوئی کام کوئی عمل تو دنیاوی فائدے کے لیے کیا جائے، لیکن اس عمل کو کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم کو دیکھا جائے۔ جب اس دنیاوی فائدے کے عمل کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا جائے گا تو ظاہر ہے یہ دنیوی فائدے والا عمل بالواسطہ عبادت بن جاتا ہے۔

مثال کے طور پر تجارت کو لے لیجئے تجارت کوئی اپنی ذات اور اصل کے اعتبار سے عبادت نہیں۔ تجارت، اُس وقت عبادت بنتی ہے کہ جب تجارت اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کی جائے، یعنی تجارت بالواسطہ عبادت ہے یہ اپنی ذات کے اعتبار سے عبادت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حُسنِ نیت کی وجہ سے یہ عبادت ہے۔ بعینہٖ یہی حال سیاست و حکومت کا بھی ہے اگر سیاست و حکومت اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق کی جائے تو وہ بھی عبادت ہے۔ لیکن سیاست و حکومت اپنی ذات اور اپنے اصل کے اعتبار سے عبادت نہیں۔ سیاست، اُس وقت عبادت بنتی ہے کہ جب سیاست اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کی جائے یعنی سیاست و حکومت بالواسطہ عبادت ہے۔

غرض جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت کو قرار دیا تو اب اس میں دونوں قسم کی عبادتیں شامل ہیں۔ یعنی بالواسطہ عبادت بھی اور بلاواسطہ عبادت بھی۔ لیکن ظاہر ہے بلاواسطہ عبادت کا مرتبہ و مقام بالواسطہ عبادتوں سے زیادہ بلند ہے۔ اور بالواسطہ عبادتیں بہت

سی ہیں جیسے تجارت، سیاست وغیرہ ان میں سے کسی ایک کو تنہا انسان کی تخلیق کا مقصد نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بلکہ ان کا مجموعہ بلا واسطہ عبادتوں کے ساتھ مل کر مقصودِ تخلیق کی اصل روح کی تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ بالواسطہ عبادتوں میں بھی اہمیت کے اعتبار سے مختلف درجات ہیں ایسا نہیں ہے کہ سب مقام واہمیت کے اعتبار سے یکساں ہوں۔ بالواسطہ عبادتوں میں جس بالواسطہ عبادت کے اثرات جتنے وسیع ہونگے اتنی ہی وہ اہمیت میں دوسری بالواسطہ عبادتوں سے زیادہ بلند ہونگی۔

سیاست و حکومت کا معاملہ یہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ اس کا نظام دین وشریعت کے اُصولوں کے مطابق ہو کر درست معنوں میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو اس کے ذریعے نہ صرف تمام بالواسطہ اور بلاواسطہ عبادتوں کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے بلکہ ان کا دائرہ عملاً زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری بالواسطہ عبادتوں کے مقابلے میں اس کی اہمیت زیادہ ہے۔ اور اسی لحاظ سے اگر اسکی (سیاست وحکومت) اہمیت پر زور دیا جائے تو بے جانہ ہو گا۔ لیکن تنہا اگر اس کو دین ومذہب کا مقصد قرار دے دیا جائے تو ترجیحات کی پوری ترتیب ہی اُلٹ جائیگی۔ کیونکہ ذہنوں میں اگر یہ بات بیٹھ جائے کہ دین کا مقصد ہی سیاست وحکومت ہے تو یقینا اس سے متعدد خرابیاں جنم لینگی۔

سیاست و حکومت کو مقصودِ اصلی قرار دینے والے بعض لوگ بطورِ دلیل اس آیت کو پیش کرتے ہیں کہ!(وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡوَعَمِلُوۡالصّٰلِحٰتِلَیَسۡتَخۡلِفَنَّھُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمۡ دِیۡنَھُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَھُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِھِمۡ اَمۡنًا یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡـًٔا)(40)"تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے کے لوگوں کو بنایا تھا اور ان کے لیے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جس کو ان کے لیے پسند کیا ہے اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے اس کے بدلے انہیں امن ضرور عطا کریگا۔ بس وہ میری عبادت کریں میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں"۔

اس دلیل کا جواب محققین اس آیت سے دیتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد!(اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰھُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَھَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ)(41)"وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین کی حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور نیکیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے"۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ سیاست وحکومت اور جہاد مقصودِ اصلی نہیں ہیں بلکہ اقامتِ دین کا وسیلہ ہیں، اس آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ دیانت مقصود بالذات ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دیانت اور احکامِ دیانت تو انبیاء کرام علیہم السلام کو مشترک طور پر سب کو دیے گئے، لیکن سیاست و حکومت اور اسی طرح جہاد سب کو نہیں دیے گئے بلکہ جہاں مصلحت وضرورت سمجھی گئی وہاں دیے گئے۔ مصلحت و ضرورت کے علاوہ یہ احکام (سیاست وحکومت وجہاد) نہیں دیے گئے۔ تو سیاست ودیانت میں سیاست وسیلہ ہے اور دیانت مقصودِ اصلی ہے۔

لیکن یہ بات بھی واضح رہے کہ اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ سیاست و حکومت کسی درجے میں بھی مطلوب نہیں' بلکہ اس کا درجہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ خود مقصودِ اصلی نہیں بلکہ دیانت مقصودِ اصلی ہے۔(42)

حاصل: غرض دین میں سیاست و حکومت کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن اس کو دین کا مقصودِ اصلی قرار دینے سے اوّلیات اور ترجیحات کا پورا نظام بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح دین کو فقط نماز، روزے کی حد تک محدود سمجھ کر دوسرے شعبوں سے بلکل غفلت اختیار کرنا بھی بہت بڑی غلطی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ دین کے بہت سے شعبے ہیں جس میں سیاست بھی ایک اہم شعبہ ہے۔ دین پر عمل کے لیے اسلام کے تمام احکام پر عمل کرنا بہت ضروری ہے چاہے وہ کسی بھی شعبے سے متعلق ہوں۔

لیکن جہاں تک دین کی جدوجہد کا تعلق ہے تو یہ بات تو سب پر عیاں ہے کہ عادتاً اکثر و بیشتر کوئی ایک شخص دین کے تمام شعبوں میں جدوجہد نہیں کر سکتا۔ کوئی دین کے ایک شعبے میں جدوجہد کرتا ہے تو کوئی دین کے دوسرے شعبے میں۔ اب اگر کوئی شخص اپنے لیے دین کے ایک شعبے کا کام منتخب کر لیتا ہے اس شعبے میں وہ زیادہ وقت بھی لگاتا ہے' زیادہ محنت و جدوجہد بھی کرتا ہے' اسی طرح کوئی شخص اپنے لیے دین کا کوئی دوسرا شعبہ منتخب کر لیتا ہے اس میں وہ اپنا وقت بھی زیادہ لگاتا ہے' زیادہ توجہ بھی اس شعبے کو دیتا ہے تو اس میں کوئی حرج کوئی قباحت نہیں۔ قباحت و حرج اس میں ہے کہ کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں نے جو شعبہ اختیار کیا ہے وہ دین کا مقصودِ اصلی ہے حالانکہ وہ مقصودِ اصلی نہ ہو' بلکہ دین کے جس طرح بہت سے کام ہیں اسی طرح وہ بھی ایک کام ہو۔ جیسے کوئی شخص سیاست کے شعبے کو اس لیے اختیار کرتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے حالات کے مطابق اس شعبے کے لیے بہتر طریقے سے خدمت فراہم کر سکتا ہوں۔ تو شریعت اس کو اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنی زیادہ تر خدمات، زیادہ توجہ، زیادہ وقت دین کے اس شعبے (سیاست) کو فراہم کرے شریعت اس میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتی۔ لیکن شریعت اس کو صرف اس بات سے روکتی ہے کہ وہ اپنے منتخب شعبے (سیاست) کو دین کا مقصودِ اصلی کہے یا سمجھے۔ وگرنہ تو اس شعبے کو منتخب کرنا اور اس کے لیے جدوجہد کرنا بھی عین دین کا حصہ ہے۔

تو ان تمام باتوں کا لب لباب یہ نکلا کہ نہ وہ سیکولر نظریہ درست ہے کہ جو یہ سمجھتا ہے کہ سیاست و حکومت میں دین و مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اور نہ ہی یہ خیال و نظریہ درست ہے کہ دین کا اصل مقصد ہی سیاست و حکومت ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دین کا اصل مقصد بندے کا اپنے پروردگار سے تعلق قائم کرنا ہے۔ جس کا اظہار ظاہر ہے عبادت و طاعت کے ذریعے ہوتا ہے۔ سیاست و حکومت بھی اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ جو نہ بجائے خود مقصد ہے اور نہ ہی اقامتِ دین کا مقصد اس پر موقوف ہے بلکہ وہ حصول مقاصد کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔ لہٰذا اسلام میں وہی حکومت و سیاست مطلوب ہے کہ جو اس مقصد میں معاون ثابت ہو۔ لیکن اگر اس کے برخلاف جو سیاست اس مقصد کو پورا کرنے کے بجائے دین کے اصل مقصد میں روڑے اٹکائے' انہیں مجروح کرے تو وہ اسلامی سیاست کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی چاہے اس کو سیاستِ اسلامیہ کا نام دے دیا گیا ہو۔(43)

حوالہ جات:

(۱)القرآن، سورۂ نساء آیت نمبر (۵۸)۔

(۲)القرآن، سورۂ النور آیت نمبر (۵۵)۔

(۳)القرآن، سورۂ الحج آیت نمبر (۴۱)۔

(۴)ابن خلدون، عبدالرحمن، مقدمہ ابن خلدون (ترجمہ مولانا عبدالمجید صدیقی)، صفحہ نمبر (۱۱۳)، ادارہ المیزان لاہور، ۲۰۰۵ء۔

(۵)غزالی، امام غزالی، احیاء العلوم، باب اوّل جلد (۱) صفحہ نمبر (۹)، دار الاشاعت، کراچی ۱۹۹۱ء۔

(۶)ایضاً، جلد (۱) صفحہ نمبر (۱۰)۔

(۷)ایضاً، جلد (۱) صفحہ نمبر (۲۱)۔

(۸)الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، جلد (۲) صفحہ نمبر (۱۰۸)، قم ایران ۱۴۰۸ھ۔

(۹)ایضاً، جلد (۲) صفحہ نمبر (۱۰۹)۔

(۱۰) گوہر، مولانا گوہر رحمن، اسلامی سیاست، صفحہ نمبر (۲۴)، ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور، ۲۰۰۲ء۔

(۱۱)ایضاً، صفحہ نمبر (۲۴)۔

(۱۲)ایضاً، صفحہ نمبر (۲۵)۔

(۱۳) Soltau, An Introduction To Politics, P-2

(۱۴)عثمانی، مفتی محمد تقی، اسلام اور سیاسی نظریات، صفحہ نمبر (۱۱)، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ۱۴۳۱ھ۔

(۱۵)ایضاً، صفحہ نمبر (۱۲)۔

(۱۶)ایضاً، صفحہ نمبر (۱۴)۔

(۱۷)ایضاً، صفحہ نمبر (۱۸)۔

(۱۸)ایضاً، صفحہ نمبر (۶۳)۔

(۱۹)ایضاً، صفحہ نمبر (۲۸۱)۔

(۲۰)القرآن، سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر (۸۰)۔

(۲۱)پروفیسر خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، صفحہ نمبر (۴۷۰)، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی ۲۰۰۶ء۔

(۲۲)ایضاً، صفحہ نمبر (۴۷۴)۔

(۲۳)القرآن، سورۂ نساء آیت نمبر (۸)۔

(۲۴)القرآن، سورۂ ص آیت نمبر (۲)۔

(۲۵)القرآن،سورۂ ص آیت نمبر (۳)۔

(۲۶)عسقلانی،ابن حجر، فتح الباری(کتاب الانبیاء)جلد (۲)صفحہ نمبر (۴۹۱)،دارلاشاعت کراچی ۱۹۹۹ء۔

مسلم،بن حجاج قشیری، صحیح مسلم(کتاب الامارۃ ترجمہ از وحید الزماں)،حدیث نمبر (۲۶۹)،اسلامی کتب خانہ لاہور،۱۹۹۹ء۔

(۲۷)ندوی،سید سلیمان، سیرت النبی ﷺ، جلد(۷)صفحہ نمبر (۱۹)،اسلامی کتب خانہ لاہور ۲۰۰۲ء۔

(۲۸)القرآن، سورۂ الحج آیت نمبر (۴۱)۔

(۲۹)عثمانی، مفتی محمد تقی،اسلام اور سیاسی نظریات، صفحہ نمبر (۲۱۷)،مکتبہ معارف القرآن کراچی،۱۴۳۱ھ۔

(۳۰)ایضاً، صفحہ نمبر (۲۹۴)۔

(۳۱)ایضاً، صفحہ نمبر (۱۶۵)۔

(۳۲)ایضاً، صفحہ نمبر (۱۷۸)

(۳۳)ایضاً، صفحہ نمبر (۱۹۲)۔

(۳۴)تھانوی،مولانا اشرف علی،اسلام اور سیاست، صفحہ نمبر (۲۲)،ادارۃ المعارف کراچی،۲۰۰۰ء۔

(۳۵)القرآن، سورۂ انفال آیت نمبر (۶۰)۔

(۳۶)عثمانی، مفتی محمد تقی،اسلام اور سیاسی نظریات، صفحہ نمبر (۱۶۵)،مکتبہ معارف القرآن کراچی،۱۴۳۱ھ۔

(۳۷)القرآن، سورۂ الذاریات آیت نمبر (۵۶)۔

(۳۸)عثمانی، مفتی محمد تقی،اسلام اور سیاسی نظریات، صفحہ نمبر (۱۶۴)،مکتبہ معارف القرآن کراچی،۱۴۳۱ھ۔

(۳۹)ایضاً، صفحہ نمبر (۱۶۴)۔

(۴۰)القرآن، سورۂ نور آیت نمبر (۵۵)۔

(۴۱)القرآن، سورۂ الحج آیت نمبر (۴۱)۔

(۴۲)تھانوی،مولانا اشرف علی،اشرف السوانح، جلد(۴)صفحہ نمبر (۲۹)،ادارۃ المعارف کراچی،۲۰۰۲ء۔

(۴۳)تھانوی،مولانا اشرف علی،اسلام اور سیاست، صفحہ نمبر (۲۲)،ادارۃ المعارف کراچی،۲۰۰۰ء۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.